Fikr-o-Nasar (Islamabad) 40:2 (2002)

نام کتاب	:	تدبّرِ حدیث (جلد اوّل)
مصنف کا نام	:	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
ترتیب و تدوین	:	خالد مسعود، سعید احمد، سیّد اسحاق علی
سالِ اشاعت	:	۲۰۰۲ء
ناشر	:	ادارہ تدبرِ قرآن و حدیث، لاہور
صفحات	:	۵۷۹
ہدیہ	:	۳۶۰ روپے
تبصرہ نگار	:	ڈاکٹر محمد طاہر منصوری ☆

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی شخصیت کسی رسمی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ برصغیر پاک و ہند کے ایک مایہ ناز عالمِ دین ہیں اور کئی شہرہ آفاق کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی علمی کاوشوں میں قرآن کریم کی تفسیر ''تدبر قرآن'' شامل ہے جو ایک خاص تفسیری منہج کی وجہ سے معروف ہے۔ زیرِ نظر کتاب صحیح بخاری کے منتخب ابواب کی شرح ہے۔ بنیادی طور پر یہ آپ کے وہ دروس ہیں جو ۱۹۸۰ء کی دہائی کے آخری برسوں میں آپ نے ادارہ تدبر قرآن و حدیث میں دیئے۔ یہ دروس آپ کے شاگردوں نے کتابی شکل میں مرتب کر دیئے ہیں۔ تدبر حدیث کی اس جلد میں صحیح بخاری کے ابواب: کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الوضوء، کتاب البیوع، کتاب السلم، کتاب الشفعہ اور کتاب الاِجارات شامل ہیں۔

مولانا اصلاحی نے اس کتاب میں بالعموم اسناد پر گفتگو نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک رواۃ کی تحقیق پر امام بخاری نے جو کام کر دیا ہے، اس میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں۔ مولانا اصلاحی کی نگاہ میں صحیح بخاری کا معیار سند موطا کے سوا سارے ذخیرۂ احادیث میں سب سے عالی ہے۔ تاہم انہوں نے صحیح بخاری کی احادیث کا اصول درایت کی روشنی میں مطالعہ کیا ہے۔ اس درایتی مطالعے کے نتیجہ میں کئی روایات کو انہوں نے مخدوش و ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں مطالعہ حدیث میں متن کی اہمیت کسی طور پر بھی سند سے کم نہیں۔ سند گو کہ کسی حدیث کے صدق

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

DMHL

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

و کذب کے فیصلے میں ایک اہم اور اوّلین عامل ہے تاہم اس کی صحت کے ثبوت کے لیے صرف سند کی صحت اور اس کا قابل اعتماد ہونا فیصلہ کن امر نہیں۔ مبادیٔ تدبر حدیث میں وہ لکھتے ہیں:

''سند کے تمام محاسن، لطائف، عظمت، اہمیت اور اس کے مطابق معیار ہونے کے باوجود اس میں بعض ایسے فطری خلا رہ جاتے ہیں جن کی تلافی کے لیے ضروری ہے کہ حدیث کی صحت کو جانچنے کے لیے سند کے سوا دوسرے طریقے بھی اختیار کیے جائیں۔ مجرد سند پر اعتبار کر کے کسی روایت کی صحت اور حسن و قبح کے متعلق پوری طرح سے اطمینان نہیں کیا جا سکتا''(۱)

فہمِ حدیث میں مطالعہ متن کی اس اہمیت پر انہوں نے مبادی تدبرِ حدیث میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ معاصر علماء میں اس اہمیت کا ادراک مشہور مصری عالم دین محمد الغزالی کے ہاں بڑی شدت سے ملتا ہے۔ انہوں نے اپنی مشہور اور متنازعہ کتاب "السنة النبوية بين أهل الفقه وأهل الحديث" میں بہت سی ایسی احادیث نقل کی ہیں جو اگرچہ سند کے اعتبار سے صحیح ہیں تاہم فقہاء نے متن کی کسی علت کی بناء پر انہیں قبول نہیں کیا(۲)۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے فہم و تدبر حدیث کے لئے کچھ اصول و کلیات دیئے ہیں جن کی روشنی میں متن حدیث کی صحت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ ان اصولوں کو مولانا اصلاحی نے مبادی تدبر حدیث میں دو ابواب کے تحت واضح کیا ہے۔ پہلا باب ''تدبر حدیث کے چند بنیادی اصول'' کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں انہوں نے مطالعہ حدیث کے لئے کچھ ایسے راہنما اصول بیان کئے ہیں جو ان کے خیال میں حدیث کے طالب علم کو لازماً اپنے پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ ان سے ہٹ کر اگر وہ اس فن کا مطالعہ کرے گا تو وہ نہ صرف الجھنوں کا شکار ہوگا بلکہ اس کے ٹھوکر کھانے اور بھٹکنے کا بھی احتمال ہے۔ یہ راہنما اصول درج ذیل ہیں:

۱۔ جس طرح قرآن مجید زندگی کے ہر گوشے میں حق و باطل میں امتیاز کے لئے کسوٹی ہے، اسی طرح حدیث کے معاملے میں بھی اصلاً وہی امتیاز کی کسوٹی ہے۔ لہذا متن حدیث میں تردد کی صورت میں روایت قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھی جائے گی۔

۲۔ ہر حدیث احادیث کے مجموعی نظام کا ایک جزو ہے۔ جزو کے لئے اپنے مجموعی نظام سے پوری طرح ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی حدیث اپنے مجموعی نظام سے بے جوڑ ہوگی تو وہ رد کر دی جائے گی۔

۳۔ حدیث کی اصل زبان ٹکسالی عربی ہے اور اس کا ایک خاص معیار ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ہر باب میں ان احادیث کو مقدم رکھا جائے گا جن کی زبان عہد نبوت و عہد صحابہؓ کی زبان سے ہم آہنگ ہو۔

۴۔ متن میں کلام کے عموم و خصوص، موقع و محل اور خطاب کا فہم حاصل کرنا ضروری ہے۔

۵۔ حدیث کو عقل و فطرت کے منافی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ دین اور عقل و فطرت میں کوئی منافات نہیں۔ ہر وہ چیز جو عقل و فطرت کے منافی ہے وہ دین کے بھی منافی ہے[۳]۔

دوسرا باب ''حدیث کے بحث وسمین میں امتیاز کے لئے اساسی کسوٹیاں'' کے عنوان سے ہے۔ مولانا اصلاحی کے خیال میں ان کی حیثیت فن حدیث میں اساسی کلیات کی ہے۔ ان کی راہنمائی میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب روایات کے صحیح وسقیم میں امتیاز آسان ہو جاتا ہے۔

یہ اساسی کلیات یہ ہیں:

۱۔ کوئی روایت جس کو اہلِ ایمان اوراصحاب معرفت کا ذوق قبول کرنے سے اباء کرتا ہے۔ وہ قبول نہیں کی جائے گی۔

۲۔ جو شاذ روایت عمل معروف کے خلاف ہوگی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اس کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کا وہ قول ہے کہ اگر مجھ سے منسوب کر کے کوئی روایت اس معروف کے مطابق کی جائے جس سے تم آشنا ہو تو اس کو قبول کر لو اور اگر مجھ سے منسوب کر کے کوئی ایسی روایت کی جائے جس کو تم منکر محسوس کرو تو اس کو قبول نہ کرو۔

۳۔ کوئی روایت جو کسی پہلو سے قرآن مجید کے خلاف ہوگی۔ قبول نہیں کی جائے گی۔

۴۔ جو روایت سنن معلومہ جو عملی تواتر سے ثابت ہیں، سے بے گانہ یا متصادم ہوگی قبول نہیں کی جائے گی۔

۵۔ جو روایت عقل کلی کے منافی ہوگی، قبول نہیں کی جائے گی۔

۶۔ جو روایت دلیل قطعی کے خلاف ہوگی، قبول نہیں کی جائے گی[۴]۔

مولانا اصلاحی نے انہی اصولوں اور کلیات کی روشنی میں صحیح بخاری کی احادیث کا مطالعہ کیا ہے اور ان کی صحت وسقم پر گفتگو کی ہے۔ ذیل میں چند ایسی روایات نقل کی جاتی ہیں جو مولانا اصلاحی کی نگاہ میں اصول درایت پر پوری نہیں اترتیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت کہ یہود نے مدینہ میں نبی اکرمؐ سے روح کے متعلق سوال کیا۔ جس پر آپﷺ پر یہ آیت اتری:

"ویسألونک عن الروح قل الروح من أمر ربی و ما أوتوا من العلم إلاّ قلیلا"(۵)

مولانا اصلاحی کے نزدیک یہ ایک بے سرو پا روایت ہے۔ اس روایت میں جو شانِ نزول بیان ہوا ہے وہ صحیح نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل مکی دور کی سورہ ہے جب کہ روایت میں آیت کا تعلق مدینہ سے جوڑ دیا گیا ہے۔ پھر اس میں آیت کے الفاظ تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی "أوتیتم" کو "آوتوا" کر دیا گیا ہے(ص۲۲۵)۔

۲۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، اس کو دوزخ سے نکالا جائے گا(۶)۔

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"جنت اور دوزخ میں داخلہ ہمیشہ کے لئے ہوگا۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ "**خالدین فیھا**" کے الفاظ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لہذا قرآن کی رو سے جن لوگوں کے لئے جہنم کی سزا کا فیصلہ ہوگا وہ اس سے کبھی بھی نکل نہ سکیں گے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ عقائد کی بنیاد لازماً قرآن پر ہونی چاہئے۔ کوئی عقیدہ خبرِ واحد سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہاں اس خبر واحد کا عقیدہ چونکہ قرآن کے بیانات سے متناقض ہے لہذا اس معاملے میں قرآن ہی کے بیان کو حکم سمجھا جائے گا"

(ص ۷۱-۷۲، نیز دیکھئے ص ۱۰۳)

۳۔ حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں(۷)۔

مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ یہ کلیہ کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، مخدوش معلوم ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام میں سے کسی نے بکریاں نہیں چرائیں۔ بکریاں چرانے کو نبوت سے کوئی خاص نسبت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ اس سے نبوت کی اہلیت پیدا ہوتی ہے

یا نبوت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ (ص۵۵۰)۔

۴۔ حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی اور اس علاقے کے جابر حکمران کے استفسار پر حضرت سارہ کو اپنی بہن کہا[۸]۔

مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ یہ روایت یہودیوں کی گپ ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ٹھونس دیا ہے۔ اس قصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسے جھوٹ کا مرتکب گردانا گیا ہے جس کا آسمان و زمین میں کوئی فائدہ نہیں۔ بیوی کو بہن کہنے سے تو بادشاہ کو زیادہ ترغیب ہو سکتی تھی اور فی الواقع ایسا ہوا۔ اگر وہ کہتے کہ میری بیوی ہے تو کوئی خیال کر سکتا تھا کہ کسی کی منکوحہ پر ہاتھ ڈالنے کی کیا حماقت کرے۔ (ص۵۰۳)

یہ حدیث چونکہ عقلی تقاضوں کے منافی ہے، لہذا مولانا اصلاحی کے نزدیک لائق قبول نہیں۔

۵۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! سب سے زیادہ خوش بخت آپ کی شفاعت کے معاملے میں قیامت کے دن کون ہوگا؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ خوش بخت قیامت کے دن میری شفاعت کے معاملے میں وہ ہوگا جو اپنے دل و جان سے ''لا الہ الا اللہ'' خلوص کے ساتھ کہے[۹]۔

مولانا اصلاحی کے خیال میں مذکورہ روایت میں مشکل یہ ہے کہ اس میں کلمہ طیبہ کے دوسرے حصے محمد رسول اللہ کے اعتراف کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ کوئی شخص اگر ''لا الہ الا اللہ'' کا اعتراف کرے لیکن محمد رسول اللہ کا اعتراف نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے۔ مولانا اصلاحی کی رائے میں یہ روایت قرآن مجید کے منافی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی رسالت کے اقرار کے بغیر کوئی شخص آپ کی شفاعت کا حق دار اور اسعد الناس کیسے ہو سکتا ہے؟ (ص۱۸۹)

ان روایات کے علاوہ کئی دیگر روایات پر بھی مولانا اصلاحی نے درایتی پہلو سے گفتگو کی ہے اور ان کی صحت کو مشکوک قرار دیا ہے۔ ان میں حدیث قرطاس (ص ۲۹۷) اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کی روایت (ص ۵۰۹) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ابن شہاب زہری سے مروی احادیث کو خاص طور پر مولانا اصلاحی نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔(ص ۴۵، ۱۵۹-۱۶۰، ۲۰۷، ۳۹۹)

زہری کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ یہ امام حدیث تو ہیں لیکن تخلیط روایات اور تخلیق

روایات اور اپنے حاشیے لگانے میں یکتائے روزگار ہیں (ص ٦٧)۔ مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

''شارحین برملا اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ زہری بات کا بتنگڑ بنانے اور مختلف روایت میں گھپلا کر کے ان کے مزاج کو بدلنے میں ید طولی رکھتے ہیں۔ انہوں نے متعدد ایسی روایات بیان کی ہیں جن کے بیان میں وہ منفرد ہیں اور ان سے بعض خاص صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کی اہانت مقصود ہے''(ص ١٧)۔

حدیث قرطاس کی شرح میں مولانا موصوف لکھتے ہیں:

'' میرے نزدیک حدیث قرطاس زہری کا پھیلایا ہوا فتنہ ہے۔ یہ روایت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے جس میں پورا زہر موجود ہے۔ حدیث قرطاس میں زہری کا ہدف حضرت عمرؓ ہیں۔ یہاں سیدہ عائشہؓ کے خلاف زہر اگلا گیا ہے۔ اس روایت میں مشکوں کا پانی مریض پر بہانے کا ٹونا جو بیان ہوا ہے یہ بھی زہری کی حاشیہ آرائی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ عوامی خرافات کو دین بنا کر پیش کرنے میں بھی زہری کا بڑا حصہ ہے''۔ (ص ٢٩٧)

امام ابن شہاب زہری کا راوی حدیث کے طور پر مرتبہ و مقام کیا ہے؟ اس موضوع پر مفصل گفتگو فاضل دوست ڈاکٹر سہیل حسن صاحب نے ''فکر و نظر'' میں تدبرِ حدیث (شرح موطا امام مالک) پر اپنے انتقادی مقالے میں کی ہے۔ انہوں نے اس مقالے میں ثابت کیا ہے کہ امام زہری کی ثقاہت، جرأت و حق گوئی تمام اہلِ علم میں مسلم ہے[10]۔

مولانا اصلاحی نے امام بخاریؒ کے عنوانات ابواب پر بھی تنقید کی ہے اور متعدد عنوانات کو مبہم، بے جوڑ اور بے ربط قرار دیا ہے۔

کتاب العلم کے ''**باب الفتیا و ھو واقف علی الدابة اوغیرھا**'' (کسی جانور یا دوسری سواری پر بیٹھے ہوئے فتویٰ دینا)[11] کے حوالے سے مولانا اصلاحی لکھتے ہیں کہ اس باب کی اہمیت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ فتویٰ دینے کے لئے کسی سواری پر سوار ہونا فتویٰ میں رکاوٹ بن سکنے کا یہ خیال شاید ہی کسی کے ذہن میں آ سکے۔ (ص ١٦٨) واضح رہے کہ حدیث کا موضوع قربانی کرنے سے پہلے سر منڈانے کا مسئلہ ہے، جس کا عنوان امام بخاریؒ نے ''سواری پر بیٹھے ہوئے فتویٰ دینا'' رکھا ہے۔

اسی طرح ''**باب من سأل و ھو قائم عالما جا لساً**'' (بیٹھے ہوئے عالم سے کسی شخص کا کھڑے کھڑے سوال کرنا) کو بھی مولانا اصلاحی نے ایک بے معنی باب قرار دیا ہے کیونکہ مذکورہ باب کی

حدیث کا موضوع جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

"**باب من سئل علما و هو مشتغل فی حدیثه فأتم الحدیث ثم أجاب السائل**" کے تحت مذکور حدیث کے حوالے سے مولانا لکھتے ہیں:

یہ حدیث بہت اہم اور علوم کا خزانہ ہے لیکن امام صاحب اس کو انتہائی غیر اہم باب میں لائے ہیں یعنی یہ کہ اگر بات کرنے کے دوران کوئی سوال پوچھ لے تو مسئول پہلے اپنی بات ختم کرے پھر سائل کو جواب دے (ص ۱۳۰)۔

اسی طرح "**باب الأجیر فی الغزو**" (جہاد میں مزدور لے جانے کے بارے میں) کے تحت مذکور حدیث کو بھی مولانا اصلاحی کی نگاہ میں عنوان کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: "روایت کا مضمون تو یہ ہے کہ اپنے دفاع میں اگر کسی شخص نے کام کیا اور اس دفاع میں دوسرے کے دانت پر مصیبت آ گئی تو دوسرے آدمی کو پہلے سے کوئی بدلہ نہیں دلایا جائے گا۔ لیکن امام صاحب بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ انہوں نے اس سے یہ فقہی مسئلہ نکالا کہ جہاد میں کوئی شخص اپنے ساتھ مزدور رکھ سکتا ہے"۔(ص ۵۵۴)

کتاب البیوع میں معاملہ صرف سے متعلق ابو المنہال سے مروی روایت کا باب امام بخاریؒ نے **باب التجارة فی البر** (بر میں تجارت) باندھا ہے۔ (یہ غالباً "**التجارة فی البز**" ہے) مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ اس روایت کا باب سے کیا تعلق ہے؟ اگر بر خشکی کے معنی میں ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرافے کا کاروبار صرف خشکی میں ہو سکتا ہے، بحر میں نہیں ہو سکتا۔ (ص ۳۵۹)

یہ محض چند مثالیں ہیں۔ مولانا اصلاحی نے اس طرح کے متعدد ابواب کی نشاندہی کی ہے جو ان کے خیال میں موضوع حدیث سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ مولانا نے مبادی تدبر حدیث میں امام بخاری کے ابواب باندھنے کے انداز کی غیر معمولی ستائش کی ہے اور اسے ان کے **تفقه فی الدین** اور وسعتِ علم کا مظہر قرار دیا ہے[۱۲]۔ جبکہ زیرِ مطالعہ کتاب میں اسی انداز کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

مولانا اصلاحی نے امام بخاری کی فہم حدیث کی بعض غلطیوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ مثلاً امام بخاری نے **باب شراء الإبل الهیم** میں **الهیم** کا مفہوم **المخالف للقصد فی کل شیء** (ہر معاملے میں راست روی اور میانہ روی کا مخالف) کیا ہے، جبکہ مولانا اصلاحی کی رائے میں **هیم**، **هیام** سے ماخوذ

ہے جو اونٹوں کی تونس کی ایک بیماری ہے۔ اس بیماری میں وہ پانی پیئے جاتے ہیں اور پانی نہ ملے تو مر جاتے ہیں (ص ۴۰۱)۔ اسی طرح عبداللہ ابن عمرو بن عاص کی روایت "اتخذ الناس رؤوسا جھالا" کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس میں جھول ہے، صحیح عبارت یوں ہوگی: "اتخذ الناس جھّالا رؤوسا" (لوگ جاہلوں کو پیشوا بنا لیں گے)۔ (ص ۱۹۲)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، مولانا اصلاحی نے صحیح بخاری کی بعض روایات کو اس بناء پر قبول نہیں کیا کہ ان میں خبر واحد کے ذریعے عقیدہ بیان ہوا ہے۔ ان کے نزدیک عقائد کی بنیاد صرف قرآن ہونی چاہئے۔ اسی بناء پر حضرت ابوسعید خدری کی روایت ''جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو دوزخ سے نکالا جائے گا''، ان کے ہاں قابل قبول نہیں۔ اس حدیث میں خبر واحد کا عقیدہ قرآن کی تصریحات سے متصادم ہے جن کی رو سے جہنم میں ڈالے جانے والے افراد اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اسی طرح نزول حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق حدیث بھی ان کے ہاں اس بناء پر ناقابل قبول ہے کہ یہ عقیدہ سے تعلق رکھنے والا امر ہے جس کی بنیاد خبرِ واحد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں کہیں نہیں ہے کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ آئیں گے۔ اتنا بڑا عقیدہ قرآن میں ہونا چاہئے۔ اخبار احاد پر ہم کوئی عقیدہ قائم نہیں کر سکتے۔(ص۵۰۹)

مولانا اصلاحی کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ نزول مسیح علیہ السلام اور جہنم سے اہلِ ایمان کے نکالے جانے کے بارے میں احادیث اخبار احاد ہیں۔ نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں روایات کی حیثیت کے حوالے سے علامہ محمد ناصر الدین البانی لکھتے ہیں: ''حدیث نزول مسیح متواتر ہے۔ میں نے خود تنہا اس روایت کے بیس طرق بیس صحابیوں سے جمع کئے ہیں جن میں سے ہر ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری زمانے میں نزول کی تصریح کرتی ہے۔ ان صحابہ میں سے بعض کی حدیث کے ایک سے زیادہ طرق ہیں اور سب کے سب صحیح ہیں''[۱۳]۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

> ''علامہ ابن القیم نے تھذیب السنن (جلد ۷ ص ۱۰۷) میں اس کے متواتر ہونے کی اس طرح توضیح کی ہے کہ اس حدیث کو بیس سے زیادہ صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات (ص ۲۵۱) میں ان میں سے دس سے زیادہ صحابیوں کا نام گنوایا ہے''[۱۴]

یہی صورتِ حال اہلِ ایمان کے دخول جنت کی روایات کی ہیں۔ شیخ محمد بن جعفر الکتانی نے

"**النظم المتناثر من الحديث المتواتر**" میں چونتیس صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جن سے اہلِ ایمان کے دخول جنت سے متعلق احادیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں۔ ان میں یہ حدیث بھی شامل ہے کہ میری شفاعت کے معاملے میں سب سے خوش بخت قیامت کے دن وہ ہوں گے جنہوں نے دل و جان سے لا الہ الا اللہ خلوص کے ساتھ کہا(۱۵)۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مذکورہ عقائد پر تمام فقہاء و متکلمین اور علمائے امت کا سلف سے خلف تک اجماع چلا آیا ہے۔ تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ تشریف لائیں گے۔ اسی طرح اہلِ ایمان میں سے جن کے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہوگا وہ جہنم میں اپنی سزا سے پاک ہونے کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ مولانا اصلاحی کا مذکورہ موقف اجماع امت کے خلاف ہے۔ "**شرح العقيدة الطحاوية**" میں مذکورہ اجماعی موقف کے دلائل دیکھے جا سکتے ہیں(۱۶)۔

مولانا اصلاحی کا یہ موقف کہ عقائد کی بنیاد لازماً قرآن ہونا چاہئے، کسی دلیل پر مبنی نہیں۔ اسلام کے بہت سے مسلم عقائد کی بنیاد احادیث ہیں۔ علامہ ناصر الدین البانی نے اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ نہ صرف اخبار متواترہ بلکہ اخبار احاد بھی حجّت ہیں۔ وہ نہ صرف عملی احکام میں بلکہ عقائد میں بھی واجب الاستدلال ہیں(۱۷)۔ ممتاز عالمِ دین مولانا عبدالغفار حسن نے اپنے ایک فکر انگیز مقالے میں یقین وظن کے لحاظ سے سنت کا جو مقام ہے، اس کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس مقالے میں واضح کیا ہے کہ اصول حدیث کی کتابوں میں حدیث کو جو ظنی کہا گیا ہے، اس سے مراد گمان غالب ہے جو شریعت میں قابل اعتماد ہے۔ خبر واحد کے حوالے سے وہ بتاتے ہیں کہ خبر واحد جو قرائن و شواہد پر مبنی ہو، علم الیقین کا فائدہ دیتی ہے۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں ان قرائن و شواہد کی تین مثالیں دی گئی ہیں:

۱۔ بخاری و مسلم کی وہ تمام روایات جو محدثین کے نقد وتبصرے سے بالاتر رہی ہیں، صحت و قوت اور قبولیت عام کے لحاظ سے ان کا درجہ ان روایات سے کہیں زیادہ بلند ہے جو صرف راویوں کی فقاہت کی بناء پر قابلِ اعتماد ٹھہرائی گئی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کو تلقی بالقبول (قبولیت علماء) کا مقام حاصل ہونا، اور ان کی صحت قابلِ اعتماد ہونے پر اُمت کا اجماع و اتفاق ہونا، ایسے مضبوط قرائن و شواہد ہیں کہ جن کی بناء پر یہ احادیث مفید علم و یقین قرار پاتی ہیں۔

۲۔ حدیث مشہور بھی مفید علم و یقین ہے جب کہ وہ متعدد الگ الگ سندوں سے مروی ہو اور ہر قسم کی فنی خامی اور راویوں کے ضعف سے پاک ہو۔

۳۔ حدیث مسلسل بالائمہ، یعنی ایسی حدیث جس کے راوی ہر دور میں مشہور اہلِ علم میں سے ہوں بشرطیکہ وہ اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد نہ ہوں بلکہ علم و تقویٰ کے لحاظ سے ان کی ہم پلہ کوئی دوسری شخصیت بھی ان کی ہم نوا ہو۔ مثلاً امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ سے روایت کریں اور وہ بھی امام مالکؒ سے۔

اس تفصیل سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ خبر واحد کی متعدد انواع مفید علم الیقین ہیں(۱۸)۔

تدبرِ حدیث کی زیرِ مطالعہ جلد میں مولانا اصلاحی نے بیوع (خرید و فروخت) سے تعلق رکھنے والی احادیث کی جو تشریح و توضیح کی ہے وہ بہت اہمیت و افادیت کی حامل ہے اور جدید تقاضوں کے مطابق ہے۔ معاملات میں مولانا موصوف کا رجحان سہولت، آسانی اور رفع حرج و مشقت کی جانب ہے۔ انہوں نے احادیث بیوع کی اس طرح توجیہ کی ہے کہ اس سے معاملات میں آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ بیع الغرر (غیر یقینی امور پر مشتمل سودے) کے تحت انہوں نے ان سودوں کو ناجائز کہا ہے جن میں بیع کا وجود غیر یقینی ہوتا ہے جیسے حاملہ جانور کے حمل کی بیع، محض پھول آنے پر باغوں کی فروخت وغیرہ۔ یہ سودے اس بناء پر ناجائز ہیں کہ ان میں مبیع نہ تو وقت معاہدہ موجود ہے اور نہ اس کا مستقبل میں وجود یقینی ہے۔ تاہم ایسی اشیاء جو معاہدے کے وقت موجود نہ ہوں لیکن مستقبل میں ان کی فراہمی یقینی ہو جیسے وہ اشیاء جن کا سودا وصف (Specification) کی بنیاد پر ہوتا ہے، ایسی اشیاء کی خرید و فروخت، مجہول و معدوم ہونے کے باوجود غرر کا معاملہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

> ''بیع غرر میں ایک پیچیدہ مشکل ہو جاتی ہے کہ اگر بیع مجہول جائز نہیں ہوگی تو کاروبار کیسے چلے گا۔ آج کروڑوں اور اربوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ آپ نے امریکہ سے F/16 طیارے خریدنے ہیں۔ قیمت کا بڑا حصہ بھی جمع کرا دیتے ہیں اور طیارے ابھی کہیں موجود نہیں تو کیا یہ بیع مجہول نہیں۔ اسی طرح تالاب کی مچھلی ہے جو اندازے پر بکتی ہے۔ میرے نزدیک اصول یہ رہیگا کہ جب یہ معلوم ہے کہ تالاب میں اتنی مچھلی ڈالی گئی اور تخمیناً اتنی ہوگی تو اس کو بیچنا غرر میں شامل نہیں ہے۔ عالمی منڈی میں بڑے بڑے سودے علی الوصف ہوتے ہیں۔ اشیاء کی باقاعدہ پوری تفصیل اوران کی صفات، نیز قواعد و ضوابط تجارتی اصولوں کے مطابق طے ہوتے ہیں، اس لیے وہ بیع مجہول نہیں ہے''۔(ص۴۴۳)

مولانا موصوف کا یہ نقطۂ نظر گو کہ ائمہ اربعہ کے مسلک کے مطابق نہیں تاہم اس میں لوگوں کے لئے زیادہ آسانی ہے۔ واضح رہے کہ مجہول و معدوم اشیاء کی بیع ان فقہاء کے نزدیک جائز نہیں[۱۹]۔

مشہور حنبلی فقیہہ امام ابن القیم کے نزدیک ایسی مجہول و معدوم اشیاء جن کے مستقبل میں وجود کے حوالے سے کوئی ابہام و غیر یقینیت نہ ہو، محل معاہدہ بن سکتی ہیں[۲۰]۔

صرف (سونا چاندی، یا کرنسی کا مبادلہ) اور ربا الفضل کے مسئلے پر بھی مولانا اصلاحی کا موقف ائمہ اربعہ کے اجماعی مسلک کے خلاف ہے۔ تاہم یہ موقف فقہاء کی رائے کے برعکس زیادہ منطقی، جاندار اور قرینِ فہم نظر آتا ہے۔ مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ گندم کا گندم کے ساتھ برابر سرابر مبادلہ اسی صورت میں ہوگا جب دونوں کی نوعیت اور کوالٹی ایک جیسی ہو۔ لیکن اگر دونوں میں فرق ہو یعنی ایک اچھی کوالٹی کی گندم ہو دوسری گھٹیا کوالٹی کی ہو تو اس میں تفاضل جائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دونوں کے بھاؤ میں فرق ہو تو کون ان کا تبادلہ برابر سرابر کرے گا؟ ان کا خیال ہے کہ عبادہ بن صامتؓ کی روایت "**فإذا اختلفت هٰذہِ الأصناف فبیعوا کیف شئتم إذا کان یداً بید**" (جب یہ اصناف مختلف ہو جائیں تو بیچو جس طرح چاہو۔ بشرطیکہ بیع ہاتھوں ہاتھ ہو) کی رو سے صنف اور کوالٹی کے فرق کی بناء پر تفاضل جائز ہے (ص ۴۷۱)۔ یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوالٹی اور خصوصیات کی بناء پر فرق جائز ہے تو نبی اکرم ﷺ نے کھجوروں کی دو مختلف اصناف کے تفاضل کی بنیاد پر اس باہمی تبادلہ کو کیوں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا جو حضرت بلالؓ نے خیبر کی کھجوروں کے سلسلے میں کیا تھا؟۔

مولانا اصلاحی کے خیال میں دو مختلف اصناف کے تفاضل کے ساتھ مبادلے کے جواز کی بنیاد حضرت اسامہؓ کی حدیث بھی فراہم کرتی ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اشیاء کی مقدار میں تفاضل نقدانقد سودے میں ہو تو اس میں حرج نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لازماً کسی بنیاد پر ہوگا لیکن اگر ادھار سودے میں ہو تو یہ ربا ہے(ص۴۷۰)۔

درہم و دینار یا دو مختلف کرنسیوں کے تبادلے میں مولانا اصلاحی کے خیال میں **تقابض فی المجلس** یا فوری قبضہ ضروری نہیں۔ ان کی رائے میں اگر معاہدے کی تمام تفصیلات طے کر لی جائیں کہ دینار کے کتنے درہم دوسرا فریق دے گا اور کب دے گا تو یہ معاملہ جائز ہوگا کیونکہ "**بیع غائب بناجز**" کی ممانعت اس بناء پر ہے کہ اس صورت میں نہ ادا کئے جانے والی کرنسی مجہول رہتی ہے۔ لیکن اگر معاہدے کی تفصیلات طے کر لی جائیں تو جہل و لاعلمی جو فساد معاملہ کا باعث ہے، ختم ہو

جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”میرے نزدیک بیع غائب بناجز اس صورت میں ہو سکتی ہے جب علی الوصف ہو تا کہ مجہول نہ رہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا معاہدہ کر لیا جائے جس میں ساری تفصیلات طے کر دی گئی ہوں“۔ (ص۴۶۶)

ہمارے خیال میں معاملے کی اس توجیہ سے کرنسی کے بہت سے جدید مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔ بیرونی تجارت میں کرنسی کی ادائیگی اور قبضے سے متعلق بیشتر اشکالات اور مسائل اس نقطۂ نظر کی روشنی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

رہن کو سفر کے ساتھ مخصوص کرنا اور حضر میں اسے جائز قرار نہ دینا مولانا اصلاحی صاحب کا ایک ایسا نقطۂ نظر ہے جو معاملات میں ان کے عمومی رویے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ تمام ائمہ اربعہ کا اس امر میں اتفاق ہے کہ رہن سفر کے ساتھ مخصوص نہیں، معاملۂ دین میں مدین سے کوئی بھی چیز بطور ضمانت طلب کی جا سکتی ہے، قطع نظر اس کے کہ معاملۂ دین سفر میں طے پائے یا حضر میں[۲۱]۔ اس پر تمام فقہاء متفق ہیں اور اسی پر اُمت مسلمہ کا سلف سے خلف تک تعامل چلا آیا ہے۔

تدبرِ حدیث کی زبان بعض مقامات پر بہت تلخ اور درشت ہے جو اس کے علمی وتحقیقی حسن کو گہنا دیتی ہے۔ مولانا اصلاحی نے اس کتاب کی زبان میں وہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جو ہمیں ان کی دیگر کتب میں نظر آتی ہے۔ اس کی ایک توجیہ یہ کی جا سکتی ہے کہ یہ بنیادی طور پر کتاب نہیں بلکہ آپ کی تقاریر ہیں۔ تحریر جس احتیاط، سنجیدگی اور ذمہ داری کا تقاضا کرتی ہے، تقریر میں عام طور پر اس کا التزام نہیں کیا جاتا۔ ان ملاحظات کے باوجود یہ ایک وقیع اور گراں قدر علمی کاوش ہے۔ ”تدبرِ حدیث“ کے مرتبین اس علمی خدمت کے لئے بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حواشی

۱۔ امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر حدیث، ص ۹۲

۲۔ دیکھئے محمد الغزالی، ”السنة النبوية بين أهل الفقة و أهل الحديث“، بیروت، دارالشروق، طبع اوّل، ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء، ص ص ۱۳-۲۹

۳۔ امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر حدیث، ص ص ۴۷-۵۶

۴۔ مبادی تدبر حدیث، ص ص ۵۷-۷۵

۵۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قول اللہ تعالیٰ ”وما أوتيتم من العلم إلا قليلا“. حدیث نمبر ۱۲۵

۶۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال حدیث نمبر۲۲۔

۷۔ صحیح بخاری، کتاب الإجارات، باب رعی الغنم علی قراریط، حدیث نمبر۲۲۶۲

۸۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء المملوک من الحربی و ھبتہ و عتقہ، حدیث نمبر ۲۲۱۷

۹۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، حدیث نمبر ۹۹

۱۰۔ سہیل حسن، انتقادی مقالہ ''تدبر حدیث'' (شرح موطا امام مالک)، فکر و نظر، جلد ۳۸، شمارہ ۳، ص ۱۱۲

۱۱۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الفتیا، حدیث نمبر۸۳

۱۲۔ دیکھئے: مبادی تدبر حدیث، ص ۱۵۴

۱۳۔ علامہ ناصر الدین الالبانی، رسالۃ: عقائد میں حدیث احاد سے استدلال واجب ہے: مخالفین کے شبہات کا جواب، ص ۵۷، حجیت حدیث، ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والإفتاء، الجامعۃ السّلفیہ، بنارس، ۱۹۸۵م

۱۴۔ علامہ ناصر الدین الالبانی، حوالہ سابقہ ص ۵۶؛ مزید دیکھیے: شرح العقیدۃ الطحاویۃ، لاہور، دار نشر الکتب الإسلامیۃ، ص ۵۶۵

۱۵۔ محمد بن جعفر الکتانی، النظم المتناثر من الحدیث المتواتر، کتاب الایمان۔

۱۶۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص ۵۶۵، ص ۴۸۲-۴۸۵

۱۷۔ علامہ ناصر الدین الالبانی، حوالہ سابقہ

۱۸۔ مولانا عبدالغفار حسن، مقالہ ''حدیث کے ظنی ہونے کا مفہوم''، ''محدث'' اگست ۲۰۰۱ء، ص ۱۸

۱۹۔ دیکھئے: کاسانی، بدائع الصنائع، جلد۵، ص ۱۸۷؛ شربینی، مغنی المحتاج جلد۲، ص ۲۰؛ وھبہ زحیلی، الفقہ الإسلامی و ادلتہ جلد۴، ص ۱۷۲-۱۷۴۔

۲۰۔ ابن القیم، اعلام الموقعین، جلد۱، ص ۳۵۸

۲۱۔ ابن قدامہ، المغنی ۳۲۷/۴؛ ابن رشد، بدایۃ المجتہد ۲۷۱/۲؛ القوانین الفقھیۃ ص ۳۲۳؛ النووی، المھذب ۳۰۵/۱؛ کاسانی، بدائع الصنائع ۱۳۵/۶۔